روزنامہ ٹیلی فون نمبر 213029

الفضل

ایڈیٹر : عبدالسمیع خان

بدھ 3 جولائی 2002ء 21 ربیع الثانی 1423 ہجری - 3 وفا 1381 ہش جلد 52-87 148

تحقیق حق

حضرت ابوذر غفاریؓ کو اپنے علاقہ میں خبر ملی کہ مکہ میں کسی شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے تو انہوں نے اپنے بھائی کو تحقیق کے لئے مکہ بھیجا اس نے آ کر بتایا کہ وہ شخص نیکیوں کی تعلیم دیتا ہے اور برائیوں سے روکتا ہے مگر اس قدر مجمل بیان سے ان کی تسلی نہ ہوئی اور خود مکہ پہنچ گئے۔ حضرت علیؓ کے ساتھ خفیہ طور پر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کر لیا۔

(صحیح بخاری کتاب المناقب باب اسلام ابی ذر حدیث نمبر 3572)

ارشادات عالیہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ

حضرت مسیح موعود نے جلسہ تحقیق مذاہب کے عنوان سے اپنے اشتہار 29 دسمبر 1895ء میں تحریر فرمایا:

خدا تعالیٰ کے فضل بے غایت نے وہ سارے سامان ہم لوگوں کے لئے میسر کر دیئے ہیں جو مذاہب کے تحقیق اور تدقیق کے لئے ضروری ہیں۔ پھر اس پر زیادہ رحمت الٰہی یہ ہے کہ ہر ایک فریق اپنے مذہبی کتابوں کا پورا پورا سامان اپنے پاس رکھتا ہے۔ اور ایک گروہ دوسرے گروہ سے گو کیسی ہی درمیان بعد مسافت ہو بڑے آرام سے ملاقات کر سکتا ہے۔ اور جو لوگ دنیا میں نیکی کے پھیلانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ہر ایک پہلو سے ان کے لئے آسانی ہو گئی ہے۔ دین کے خادموں کے لئے کئی طور سے خادم پیدا ہو گئے ہیں۔ چنانچہ سفر کے لئے ریل خادم ہے جس کی سواری پہلے زمانے کے بادشاہوں کو بھی میسر نہیں آئی اور خبروں کے جلد پہنچانے کے لئے تار برقی خادم ہے۔ اور تالیفات کے چھاپنے کے لئے چھاپے خانے خادم ہیں۔ اور کتابوں کے شائع کرنے کے لئے ڈاکخانے خدمت دے رہے ہیں۔ کتابت کے لئے عمدہ سے عمدہ کاغذ میسر سکتے ہیں۔ اور لکھنے کے لئے آہنی قلمیں موجود ہیں۔ جن کے تراشنے اور بنانے کی بھی حاجت نہیں۔ حفظ اوقات کے لئے نادر نادر اور نفیس نفیس گھڑیاں مل سکتی ہیں۔ حفظ صحت کے لئے انواع اقسام کی ادویہ میسر آ سکتی ہیں۔ ہر یک انسان اپنے ہم مشربوں پر اگرچہ زمین کے کنارہ پر ہوں اطلاع پا سکتا ہے۔ ہر یک شخص اپنے مذہب کے عارفوں سے پورے طور پر مشورہ لے سکتا ہے۔ ایک جگہ بالمشافہ گفتگو کرنے کے لئے مشرق اور مغرب کے آدمی بڑی آسانی سے اکٹھے ہو سکتے ہیں۔ چند گھنٹے میں صدہا کوس کا سفر طے ہو سکتا ہے۔ ہر یک مذہب میں کتابیں اس قدر تالیف ہو گئی ہیں جن کا شمار صرف خدا تعالیٰ کو معلوم ہے۔ علاوہ ان سب باتوں کے ہر یک قوم میں قدرتی طور پر مذہب کے بارہ میں ایک جوش بھی پایا جاتا ہے۔ مذہبی تحقیق کے لئے غیبی تحریک سے ایک ہوا چل رہی ہے۔ تمام راہیں کھل گئیں۔ تمام مشکلات حل کر دی گئی ہیں۔ مختلف زبانوں کا علم لوگوں میں بڑھتا جاتا ہے گویا خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ تمام قوموں کو ایک قوم بنا دے۔ سو یہ بات بالکل سچ ہے کہ اگر ان تمام وسائل کو احقاق حق کے لئے احسن طور پر استعمال میں لایا جاوے۔ اور تمام قوموں کے اکابر دین اور صاحبان معرفت نیک نیتی سے حق کے ظاہر ہونے کے لئے ایک جگہ مل کر کوشش کریں اور تعصبات سے دور ہو کر بھائیوں کی طرح باہمی اتفاق سے اپنے اپنے دین اور کتاب کی خوبیاں آہستگی اور ٹھنڈے دل سے ایک دوسرے پر ظاہر کریں تو کچھ تعجب نہیں کہ اس اتفاق کی برکت سے سچے مذہب کے انوار لوگوں پر ظاہر ہو جاویں۔

(مجموعہ اشتہارات جلد 2 ص 192)

خصوصی درخواست دعا

احباب جماعت سے جملہ اسیران راہ مولا کی جلد اور باعزت رہائی نیز مختلف مقدمات میں ملوث افراد جماعت کی باعزت بریت کے لئے دردمندانہ درخواست دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ان بھائیوں کو اپنی حفظ و امان میں رکھے ہر شر سے بچائے۔

داخلہ معلمین کلاس وقف جدید

وقف جدید انجمن احمدیہ کے تحت نئی معلمین کلاس ماہ اکتوبر 2002ء میں شروع ہو گی۔ خدمت دین کا شوق اور جذبہ رکھنے والے ہونہار نوجوان اپنی زندگیاں وقف کر کے معلمین کلاس میں داخلہ کیلئے اپنی درخواستیں امیر ضلع / صدر جماعت کی تصدیق کے ساتھ درج ذیل پروگرام کے مطابق دفتر وقف جدید میں ارسال فرماویں۔

درخواستیں دفتر میں موصول ہونے کی آخری تاریخ 25-اگست 2002ء مقرر کی گئی ہے اور انٹرویو مورخہ 8-9-10 ستمبر بروز اتوار، سوموار اور منگل ہو گا۔

معلمین کلاس میں داخلہ کیلئے بنیادی شرائط حسب ذیل ہیں:۔

1۔ قرآن کریم ناظرہ صحت تلفظ کے ساتھ پڑھنا آتا ہو۔
2۔ بنیادی دینی معلومات سے واقفیت ہو۔
3۔ ذہین اور خدمت دین کا جذبہ رکھنے والے ہوں۔
4۔ بیعت کئے ہوئے کم از کم دو سال کا عرصہ ہو چکا ہو۔
5۔ تعلیم کم از کم میٹرک C گریڈ ہونی لازمی ہے۔
6۔ عمر بیس سال سے زائد نہ ہو۔

معلمین کلاس میں داخلہ کے خواہشمند نوجوان قرآن کریم ناظرہ صحت تلفظ اور باترجمہ سیکھتے رہیں۔ نیز بنیادی دینی کتب جماعتی ادارہ اخبارات و رسائل کا مطالعہ جاری رکھیں۔ اسی طرح آنحضرتؐ و حضرت مسیح موعودؑ کی سیرت پر مبنی کتب کا مطالعہ کرتے رہیں۔ حضرت مسیح موعودؑ کی کتب بالخصوص کشتی نوح، رسالہ الوصیت، لیکچر سیالکوٹ، لیکچر لاہور، دیگر جماعتی کتب میں سے تبلیغ ہدایت اور دینی معلومات وغیرہ کا مطالعہ کرتے رہیں۔ (ناظم ارشاد وقف جدید)

تاریخ احمدیت

منزل بہ منزل

مرتبہ ابن رشید

دین اور انسانیت کی خدمت کا سفر

1907ء

جنوری	سعد اللہ لدھیانوی حضرت مسیح موعود کی پیشگوئی کے مطابق طاعون سے ہلاک ہوگیا اور اس کا لڑکا بھی 12 جولائی 26ء کو لاولد رہ کر فوت ہوگیا۔
20 فروری	قادیان کے آریوں کی گندہ دہنی کے جواب میں حضور نے قادیان کے آریہ اور ہم" شائع فرمائی۔
فروری	آریہ اخبار شبھ چنتک کا عملہ طاعون سے ہلاک ہوگیا۔
9 مارچ	امریکہ میں ڈاکٹر جان الیگزنڈر ڈوئی کی ہلاکت ہوئی۔
7 اپریل	منشی الٰہی بخش اکاؤنٹنٹ کی طاعون سے ہلاکت۔
15 اپریل	حضور نے مولوی ثناء اللہ امرتسری صاحب کو مباہلہ کی دعوت دی مگر انہوں نے منظور نہ کی (یکم ربیع الاول 1325ھ)
17 اپریل	حضور نے ڈوئی کی ہلاکت کے متعلق اشتہار 'فتح عظیم' شائع کیا۔
7 مئی	تقسیم بنگال کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی شورش میں حضرت مسیح موعود نے جماعت کو پرامن رہنے کی تلقین کی۔ اس سلسلہ میں 12 مئی کو ایک جلسہ بھی منعقد کیا گیا۔
15 مئی	حضور کے دور مسیحیت کی سب سے ضخیم اور جامع کتاب "حقیقۃ الوحی" شائع ہوئی اس کے ساتھ آپ نے عربی رسالہ 'الاستفتاء' بھی شائع فرمایا۔
مئی	رسالہ تعلیم الاسلام ریویو آف ریلیجنز کے ساتھ بطور ضمیمہ چھپنے لگا۔
جون	حضور نے تجویز فرمایا کہ تقویٰ اور تزکیہ نفس کے ضروری اصول تختیوں پر لکھ کر دیواروں پر لٹکائے جائیں تاکہ ان پر نظر پڑتی رہے۔ اس کا نام آپ نے 'الواح الھدیٰ' تجویز فرمایا۔
12 جولائی	الہام ہوا "مرزا غلام احمد کی جے"۔
14 جولائی	حضور کا مختصر سفر بٹالہ۔
30 اگست	ایک رویا کو ظاہری طور پر پورا کرنے کے لئے حضرت مرزا مبارک احمد صاحب کی شادی حضرت مریم بیگم صاحبہ سے کی گئی۔
16 ستمبر	حضرت مرزا مبارک احمد صاحب کی وفات۔ اس موقع پر حضرت مسیح موعود نے یہ نظم لکھی بلانے والا ہے سب سے پیارا اسی پہ اے دل تو جاں فدا کر
ستمبر	حضور نے وقف زندگی کی پہلی منظم تحریک فرمائی۔ 13 احباب نے وقف کیا۔
3 دسمبر	آریہ سماج لاہور وچھووالی کی مذہبی کانفرنس میں حضور کا مضمون حضرت مولانا نورالدین صاحب اور ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب نے پڑھ کر سنایا۔
25 دسمبر	قادیان میں انجمن تشحیذ الاذہان کا جلسہ ہوا۔
27 تا 29 دسمبر	حضور کی زندگی کا آخری جلسہ سالانہ ہوا۔ حضور نے 27 دسمبر اور 28 دسمبر کو تقاریر فرمائیں۔ کل حاضری 3000 تھی۔
28 دسمبر	صدر انجمن احمدیہ کی کانفرنس منعقد ہوئی۔

جو مرتا ہے وہی زندوں میں جاوے

کوئی اس پاک سے جو دل لگاوے
کرے پاک آپ کو تب اس کو پاوے

جو مرتا ہے وہی زندوں میں جاوے
جو جلتا ہے وہی مُردے جِلاوے

ثمر ہے دور کا کب غیر کھاوے
چلو اوپر کو وہ نیچے نہ آوے

نہاں اندر نہاں ہے کون لاوے
غریقِ عشق وہ موتی اٹھاوے

وہ دیکھے نیستی رحمت دکھاوے
خودی اور خودروی کب اس کو بھاوے

مجھے تو نے یہ دولت اے خدا دی
فسبحان الذی اخزی الاعادی

کہاں تک حرص و شوقِ مالِ فانی!
اٹھو ڈھونڈو متاعِ آسمانی

کہاں تک جوشِ آمال و اَمانی
یہ سو سو چھید ہیں تم میں نہانی

تو پھر کیونکر ملے وہ یار جانی
کہاں غربال میں رہتا ہے پانی

کرو کچھ فکرِ ملکِ جاودانی
یہ ملک و مال جھوٹی ہے کہانی

بسر کرتے ہو غفلت میں جوانی
مگر دل میں یہی تم نے ہے ٹھانی

خدا کی ایک بھی تم نے نہ مانی
ذرا سوچو یہی ہے زندگانی؟

خدا نے اپنی رہ مجھ کو بتا دی
فسبحان الذی اخزی الاعادی

(درثمین)

متفرق

—	بیت مبارک میں توسیع کی گئی۔
—	عبدالکریم نامی طالب علم کے متعلق احیائے موتیٰ کا نشان ظاہر ہوا۔ جن کو باؤلے کتے نے کاٹ لیا تھا۔

پبلشر آغا سیف اللہ' پرنٹر قاضی منیر احمد مطبع ضیاء الاسلام پریس مقام اشاعت دارالنصر غربی چناب نگر (ربوہ) قیمت تین روپے

احمدی طلبہ وطالبات کی خصوصی توجہ کے لئے

سیدنا حضرت مسیح موعود کے بیش قیمت ارشادات

مکرم مولانا عطاء المجیب راشد صاحب

احمدی طلبہ وطالبات کو ہمیشہ اس بات پر غور کرتے رہنا چاہئے کہ تعلیم حاصل کرنے سے ان کا مقصد کیا ہے؟ اگر ڈگریاں حاصل کرنے کے بعد نوکری کا حصول اور مال و دولت کمانا ہے تو پھر ان میں اور دیگر طالب علموں میں کیا فرق ہوا۔ وہ بھی اسی دنیا کے حصول کی خاطر تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ ایک احمدی طالب علم کا ہر فعل تو ایسا ہونا چاہئے جو اپنے اندر ایک بلند امتیازی شان رکھتا ہو۔ جب تک یہ کیفیت نصیب نہ ہو اور جب تک حصول علم کا حقیقی مقصد پوری طرح ذہن میں واضح نہ ہو، کسی احمدی طالب علم کو بھی مطمئن نہیں ہونا چاہئے۔

احمدی طلبہ وطالبات کو یہ بات خوب اچھی طرح یاد رکھنی چاہئے کہ حقیقی علم وہی ہے جو انسان کو تقویٰ عطا کرے۔ اللہ تعالیٰ نے صاحب علم کی یہی تعریف فرمائی ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے کہ

حقیقت میں صاحب علم وہی ہے جو اپنے دل میں اللہ تعالیٰ کی خشیت رکھتا ہو اور اس کا دل اللہ تعالیٰ کے تقویٰ سے معمور ہو۔ علم حاصل کرتے وقت ہر طالب علم کی یہی نیت اور یہی مقصد ہونا چاہئے۔ دین کی خدمت، دین کی برتری کا اثبات، اخلاق فاضلہ کا حصول، بنی نوع انسان کی خدمت اور نفس کی اصلاح۔ یہ سب اسی نیک مقصد کی مختلف شاخیں ہیں۔ انہی کو مدنظر رکھتے ہوئے انسان کو علم حاصل کرنا چاہئے اور ہمیشہ دل کی کیفیت ایسی ہونی چاہئے جو قرآن مجید میں اس طرح آئی ہے:۔

''کہ ہمیں کوئی علم نہیں سوائے اس کے جو تو نے ہمیں سکھایا ہے''

یہ اقرار ہمیشہ ورد زبان رہے کہ ہر علم اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ ہے میری کوشش محنت یا زور بازو کا نتیجہ نہیں۔ یہ کیفیت دل میں راسخ ہو جائے تو ایک سچا طالب علم اس دعا کو حرز جان بنائے رکھتا ہے:۔

رب زدنی علماً

کہ اے میرے مولیٰ، ہر علم کا منبع تیری ذات ہے پس تو ہی مجھے علم سکھا اور ہمیشہ میرے علم کو بڑھاتا چلا جا۔

اس نوٹ کا مقصد کوئی لمبا مضمون تحریر کرنا نہیں بلکہ اپنے عزیز احمدی طلبہ اور طالبات کی خدمت میں سیدنا حضرت مسیح موعود کے چند قیمتی ارشادات پیش کرنا ہے جو اسی نہایت اہم موضوع سے تعلق رکھتے ہیں جن کا میں نے اپنے الفاظ میں ذکر کیا ہے۔

حضرت مسیح موعود کے ارشادات کی ابتداء اس حوالہ سے کرتا ہوں جس میں آپ نے فرمایا۔

''میری یہ باتیں اس لئے ہیں کہ تا تم جو میرے ساتھ تعلق رکھتے ہو۔ اور اس تعلق کی وجہ سے میرے اعضاء ہو گئے ہو۔ ان باتوں پر عمل کرو۔ اور عقل اور کلام الٰہی سے کام لو۔ تا کہ سچی معرفت اور یقین کی روشنی تمہارے اندر پیدا ہو اور تم دوسرے لوگوں کو ظلمت سے نور کی طرف لانے کا وسیلہ بنو۔ (ملفوظات جلد اول ص 43)

ان دعائیہ الفاظ کے بعد جن کا طالبان علم سے خاص تعلق ہے، آپ نے فرمایا:۔

''میں ان (لوگوں) کو غلطی پر جانتا ہوں، جو علوم جدیدہ کی تعلیم کے مخالف ہیں۔ وہ دراصل اپنی غلطی اور کمزوری کو چھپانے کے لئے ایسا کرتے ہیں۔ ان کے ذہن میں یہ بات سمائی ہوئی ہے کہ علوم جدیدہ کی تحقیقات (دین) سے بدظن اور گمراہ کر دیتی ہے۔ اور وہ یہ قرار دیئے بیٹھے ہیں۔ کہ گویا عقل اور سائنس (دین) سے بالکل متضاد چیزیں ہیں۔ چونکہ خود فلسفہ کی کمزوریوں کو ظاہر کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ اس لئے اپنی اس کمزوری کو چھپانے کیلئے یہ بات تراشتے ہیں کہ علوم جدیدہ کا پڑھنا ہی جائز نہیں۔ ان کی روح فلسفہ سے کانپتی ہے اور نئی تحقیقات کے سامنے سجدہ کرتی ہے۔ مگر وہ سچا فلسفہ ان کو نہیں ملا جو الہام الٰہی سے پیدا ہوتا ہے۔ جو قرآن کریم میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے وہ ان کو اور صرف انہیں کو دیا جاتا ہے۔ جو نہایت تذلل اور نیستی سے اپنے تئیں اللہ تعالیٰ کے دروازے پر پھینک دیتے ہیں۔ جن کے دل اور دماغ سے متکبرانہ خیالات کا تعفن نکل جاتا ہے اور جو اپنی کمزوریوں کا اعتراف کرتے ہوئے گڑگڑا کر سچی عبودیت کا اقرار کرتے ہیں'' (ملفوظات جلد اول ص 43)

یہ بنیادی اصول بیان کرنے اور پوری طرح واضح فرمانے کے بعد آپ نے نصیحت فرمائی کہ علوم جدیدہ ضرور حاصل کرو اور خوب حاصل کرو لیکن ان علوم کو ہمیشہ دین کے تابع کرنا چاہئے۔ آپ نے فرمایا:

پس ضرورت ہے کہ آج کل دین کی خدمت اور اعلائے کلمۃ اللہ کی غرض سے علوم جدیدہ حاصل کرو اور بڑے جدوجہد سے حاصل کرو۔ لیکن مجھے یہ بھی تجربہ ہے جو بطور انتباہ میں بیان کر دینا چاہتا ہوں کہ جو لوگ ان علوم ہی میں یکطرفہ پڑ گئے اور ایسے محو اور منہمک ہوئے کہ کسی اہل دل اور اہل ذکر کے پاس بیٹھنے کا ان کو موقعہ نہ ملا۔ اور وہ خود اپنے اندر الٰہی نور نہ رکھتے تھے وہ عموماً ٹھوکر کھا گئے اور (دین) سے دور جا پڑے۔ اور بجائے اس کے کہ ان علوم کو (دین) کے تابع کرتے۔ الٹا (دین) کو علوم کے ماتحت کرنے کی بے سود کوشش کر کے اپنے زعم میں دینی اور قومی خدمات کے متکفل بن گئے۔ مگر یاد رکھو کہ یہ کام وہی کر سکتا ہے۔ یعنی دینی خدمت وہی بجا لا سکتا ہے جو آسمانی روشنی اپنے اندر رکھتا ہو'' (ملفوظات جلد اول ص 43)

اس حرف انتباہ کی مزید وضاحت فرماتے ہوئے۔ جس کا ذکر اوپر آیا ہے، حضرت مسیح موعود نے بطور تذکیر ایک بار پھر اس بات کو پوری صراحت سے کھولا ہے۔ نہایت پرحکمت انداز میں آپ فرماتے ہیں:۔

بات یہ ہے کہ ان علوم کی تعلیمیں پادریت اور فلسفیت کے رنگ میں دی جاتی ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان تعلیمات کا دلدادہ چند روز تو حسن ظن کی وجہ سے جو اس کو فطرتاً حاصل ہوتا ہے۔ رسوم (دین) کا پابند رہتا ہے۔ لیکن جوں جوں ادھر قدم بڑھاتا چلا جاتا ہے۔ (دین) کو دور چھوڑتا جاتا ہے۔ اور آخر ان رسوم کی پابندی سے بالکل ہی رہ جاتا ہے اور حقیقت سے کچھ تعلق نہیں رہتا۔ یہ نتیجہ پیدا ہوتا ہے اور ہوا ہے یکطرفہ علوم کی تحقیقات اور تعلیم میں منہمک ہونے کا۔ بہت سے لوگ قومی لیڈر کہلا کر بھی اس رمز کو نہیں سمجھ سکے۔ کہ علوم جدیدہ کی تحصیل جب ہی مفید ہو سکتی ہے۔ جب محض دینی خدمت کی نیت سے ہو۔ اور کسی اہل دل آسمانی عقل اپنے اندر رکھنے والے مرد خدا کی صحبت سے فائدہ اٹھایا جائے'' (ملفوظات جلد اول ص 44)

دنیا میں انسان کو مختلف قسم کی کامیابیاں نصیب ہوتی ہیں اور ہر کامیابی کے موقع پر خوشی منائی جاتی ہے۔ بعض لوگ صحیح طور پر خوشی مناتے ہیں اور بعض غلط انداز میں۔ اس سلسلہ میں یاد رکھنا چاہئے کہ دنیا کی بعض کامیابیاں اور ان پر منائی جانے والی خوشیاں انسان کیلئے بسا اوقات ابتلاء کا موجب بھی بن جاتی ہیں۔ لیکن خدا کے نیک بندے جو کامیابی کے حقیقی فلسفہ سے اور خوشی کے صحیح طریق سے آگاہ ہوتے ہیں ان کے لئے یقینی طور پر ہر کامیابی خداشناسی کا موقع مہیا کرتی ہے۔ یہ بات خاص طور پر ہمارے طلبہ اور طالبات کو یاد رکھنی چاہئے۔ ہماری دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ سب کو نمایاں کامیابیوں سے نوازے اور خوشیاں صحیح طریق پر منانے کی توفیق دے۔

اس سلسلہ میں حضرت مسیح موعود نے کیسی عمدہ اور پر معارف نصیحت فرمائی ہے جو ہر وقت یاد رکھنے کے لائق ہے خصوصاً طالبان علم کو اپنی کامیابیوں کے موقع پر۔ آپ نے فرمایا:۔

''ان دنیوی اور عارضی کامیابیوں پر اس قدر خوش مت ہو۔ کہ حقیقی کامیابی سے دور چلے جاؤ۔ بلکہ ان کامیابیوں کو خداشناسی کا ایک ذریعہ قرار دو۔ اپنی ہمت اور کوشش پر نازمت کرو اور مت سمجھو کہ یہ کامیابی ہماری کسی قابلیت اور محنت کا نتیجہ ہے۔ بلکہ یہ سوچو کہ اس رحیم خدا نے جو کبھی کسی کی سچی محنت کو ضائع نہیں کرتا۔ ہماری محنت کو بارور کیا۔ ورنہ کیا تم نہیں دیکھتے کہ صدہا طالب علم آئے دن امتحانوں میں فیل ہوتے ہیں۔ کیا وہ سب کے سب محنت نہ کرنے والے اور بالکل غبی اور بلید ہی ہوتے ہیں؟ نہیں بلکہ بعض ایسے ذکی اور ہوشیار ہوتے ہیں کہ پاس ہونے والوں میں سے اکثر کے مقابلہ میں ہوشیار ہوتے ہیں۔ اس لئے واجب اور ضروری ہے کہ ہر کامیابی پر مومن خداتعالیٰ کے حضور سجدات شکر بجالائے۔ کہ اس نے محنت کو اکارت تو نہیں جانے دیا۔ اس شکر کا نتیجہ یہ ہوگا کہ خداتعالیٰ سے محبت بڑھے گی اور ایمان میں ترقی ہوگی اور نہ صرف یہی بلکہ اور بھی کامیابیاں ملیں گی۔ کیونکہ خداتعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر تم میری نعمتوں کا شکر کرو گے تو البتہ میں نعمتوں کو زیادہ کروں گا۔ اور اگر کفران نعمت کرو گے۔ تو یاد رکھو۔ عذاب سخت میں گرفتار ہو گئے۔ (ملفوظات جلد اول ص 98)

ایک مومن اور غیر مومن میں کیا فرق ہے اور مومن کو کامیابی نصیب ہونے پر کیا نمونہ دکھانا چاہئے۔ اس بارہ میں حضرت مسیح موعود کا ارشاد ہے:۔

''اس اصول کو ہمیشہ مدنظر رکھو۔ مومن کا کام یہ ہے کہ وہ کسی کامیابی پر جو اسے دی جاتی ہے۔ شرمندہ ہوتا ہے اور خدا کی حمد کرتا ہے کہ اس نے اپنا فضل کیا۔ اور اس طرح پر وہ قدم آگے رکھتا ہے اور ہر ابتلا میں ثابت قدم رہ کر ایمان پاتا ہے۔ بظاہر ایک ہندو اور مومن کی کامیابی ایک رنگ میں مشابہ ہوتی ہے لیکن یاد رکھو کہ کافر کی کامیابی ضلالت کی راہ ہے اور مومن کی کامیابی سے اس کے لئے نعمتوں کا دروازہ کھلتا ہے۔ کافر کی کامیابی اس لئے ضلالت کی طرف لے جاتی ہے کہ وہ خدا کی طرف رجوع نہیں کرتا۔ بلکہ اپنی محنت، دانش اور قابلیت کو خدا بنالیتا ہے۔ مگر مومن خدا

باقی صفحہ 7 پر

حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں:۔

''میں پھر پکار کر کہتا ہوں اور میرے دوست سن رکھیں کہ وہ میری باتوں کو ضائع نہ کریں اور ان کو صرف ایک قصہ گو یا داستان گو کی کہانیاں ہی کا رنگ نہ دیں بلکہ میں نے یہ ساری باتیں نہایت دلسوزی اور سچی ہمدردی سے جو فطرتاً میری روح میں ہے کی ہیں۔ ان کو گوش دل سے سنو اور ان پر عمل کرو!'' (ملفوظات جلد اول ص 90)

آپ انتہائی سادہ مگر نفاست پسند تھیں- خواتین کو سلیقہ مند بننے کی تلقین کرتیں

سراپا شفقت و محبت - حضرت اماں جان سیدہ نصرت جہاں بیگم صاحبہ

محترمہ صاحبزادی امۃ الرشید صاحبہ بیگم مکرم میاں عبدالرحیم احمد صاحب کی حضرت اماں جان کے بارہ میں حسین یادیں

محترمہ نسیم سعید صاحبہ کے توسط سے محترمہ صاحبزادی امۃ الرشید بیگم صاحبہ بنت حضرت مصلح موعود کی حضرت اماں جان کے بارہ میں حسین یادیں موصول ہوئی ہیں- ان کی درخواست ہے کہ دیگر افراد بھی اپنی یادیں مندرجہ ذیل پتہ پر انہیں بھجوائیں-
سیدہ نسیم سعید- بیت الفضل
13 عبدالرحمان روڈ لاہور چھاؤنی

حضرت اماں جان کا یہ طریق تھا کہ بہت صبح سویرے بیدار ہوتیں تہجد ادا کرتیں فجر کی نماز حضرت مصلح موعود کی سب بیٹیاں اور بیویاں حضرت اماں جان کے صحن میں بیت مبارک کے نمازیوں کے ساتھ ادا کرتیں-

اماں جان نماز ادا کرکے اپنے برآمدے میں اپنے پلنگ پر آ بیٹھتیں پھر اچھی آواز والی لڑکی سے قرآن پاک سنتیں- پھر وہیں اماں جان کا ناشتہ آ جاتا تھا جو بسکٹ اور چائے ہوتی (کبھی کبھی اپنی خادمہ سے جو بڑی چاہت سے ان کی خدمت کے لئے آئی تھیں جنہیں ہم آپا سردار کہتے تھے-) کہتیں سردار آج مجھے چھوٹی سی روغنی روٹی بنادو- اور یہ شاید مہینہ میں ایک دفعہ ہی ہوتا-

پھر اپنے ساتھ والیوں کو آواز دیتیں کہ چلو سیر پر چلیں جب وہ آ جاتیں تو آپ اپنا برقعہ پہنتیں اور چھتری لازماً لیتیں- چھتری اٹھاتیں اور چل پڑتیں- یہ نہیں پتہ ہوتا تھا کہ آج کہاں جانا ہے- باہر جا کر کہتیں کہ آج اس محلے میں جاتے ہیں اور دو چار گھر اپنے ذہن میں رکھ لیتیں- وہاں جا کر چھتری سے دروازہ کھٹکھٹاتیں اور اجازت لیتیں اور پھر اندر جاتیں-

آپ کے بار بار جانے سے سارے قادیان کے رہن سہن کا ایک ہی طریقہ بن گیا تھا- جب کسی کے گھر میں داخل ہوتیں تو انہیں گھر کی صفائی ستھرائی کا کہتیں بستر ٹھیک سے بچھانے کا کہتیں برتن ٹھیک سے لگانے کا بتاتیں- تو اس طرح آپ کی سلیقہ شعاری کی وجہ سے تمام گھرانے ایک سے لگنے لگے- جب کبھی ہمیں چھٹی ہوتی ہم بھی ساتھ چل پڑتے- ہمیں بھی بہت شوق سے لے جاتیں ایک دفعہ جب میں بھی ساتھ تھی کسی کے گھر گئیں تو صحن میں لکڑیاں پھیلی ہوئی تھیں- تو فرمانے لگیں بیوی (بیوی کہہ کر ہی مخاطب کرتیں اگر چھوٹی ہوتی تو بیٹی کہتیں) تمہارا میاں کیا سوچے گا تمہاری سسرال کیا کہے گی گھر میں سلیقہ نظر نہیں آ رہا- عورت کی اصل خوبی اس کا سلیقہ ہے- نیکی اور سلیقہ ہی عورت کی پہچان ہے- اگر تم نے اپنے خاوند کا دل جیتنا ہے تو اس کا واحد طریقہ ہے کہ تم سلیقہ مند بنو- تمہیں کھانے پکانے کا سلیقہ ہو- گھر داری کا سلیقہ ہو بچوں کی اچھی تربیت کرو- خود نمازی بنو تو ان کو بناؤ گی اس طرح باتوں باتوں میں اسے نصیحت کی- اس نے کہا اماں جان چھوٹا سا تو صحن ہے کیا کروں آپ نے کہا لاؤ میں اسے بڑا کر دیتی ہوں- ساتھ جانے والیوں کو لگایا خود لگیں اور ایک کونہ مقرر کرکے اس میں طریقے سے لکڑیاں لگا دیں بالکل ایسے جیسے سجاوٹ کی ہو پھر گھر والی سے کہا دیکھو صحن بڑا ہو گیا ہے اب تم جھاڑو لگا دو- اب تیرا میاں آئے گا تو گھر صاف دیکھ کر خوش ہوگا- آپ چاہتی تھیں ہر گھر صاف ستھرا اور پیار کا گہوارہ بن جائے- سب کو بتاتیں کہ تخت پوش پر کوئی صاف ستھرا کپڑا بچھاؤ اور گاؤ تکیہ رکھ دو-

ایک دفعہ جب ہم بھی ان کے ساتھ تھے کسی کے گھر گئے وہاں کہنے لگیں بی بی دو چار لکڑیاں لاؤ اپنے میاں سے کہو اسے ٹھونک ٹھاک کر اس کا تخت بنا لو اس پر کپڑا بچھا کر اس پر بیٹھا کرو کیا چار پائیوں پر بیٹھ کر کھانا کھاتے ہو- اسی پر کھانا کھایا کرو- ایک سلیقہ سے چلو- اس نے کہا اماں جان روئی بہت مہنگی ہے آپ نے کہا لاؤ میں سستی کر دیتی ہوں- آپ اسی طرح دل جیت لیتیں- آپ نے کہا کہ لحاف لاؤ- وہ لحاف لائی- اسے کہا اسے اس طرح مروڑو اور اس پر کوئی غلاف سی کر چڑھاؤ اور تخت پر بچھا دو- دیکھو کتنا اچھا لگ رہا ہے-

ہر ایک کو سمجھاتیں طریقے بتاتیں کہ روٹی اس طرح بناؤ پراٹھا اس طرح بہتر بن سکتا ہے بیٹھ کر بتاتیں سالن بنانے کے طریقے سکھاتیں اور باورچی خانے کی صفائی اور برتن لگانے کا بتاتیں-

حضرت چچی جان ام مظفر صاحبہ (بیگم حضرت مرزا بشیر احمد صاحب) کو بھی صفائی ستھرائی کا جنون کی حد تک شوق تھا- کبھی وہ بھی حضرت اماں جان کے ساتھ چل پڑتیں وہ خود بستر ٹھیک سے بچھواتیں چار پائیاں کسواتیں- گھر کی چیزیں ٹھیک طرح رکھواتیں بلکہ خود کرنے لگتیں گھر والے شرمندہ ہی ہو جاتے اس طرح حضرت اماں جان کے پیش نظر گھر والوں کو سلیقہ طریقہ سکھانا ہوتا- پھر قادیان کی خواتین صبح ہی اپنے گھروں کی صفائی ستھرائی اور سلیقے میں لگ جاتیں کہ حضرت اماں جان کب اچانک آ جائیں- اس طرح قادیان کے سب گھروں کا ایک سا ماحول ہو گیا-

قادیان کے ارد گرد بھینی ننگل قادر آباد احمد آباد (نواں پنڈ) پھر کھارے تک چلی جاتیں- گھر والے کسی اہتمام کی کوشش کرتے تو فرماتیں کیا پکا ہے وہ کہتے ساگ اور مکئی کی روٹی تو کہتیں اس سے بہتر کیا چیز ہے تکلف بالکل نہ کرتیں اور کھانا کھا کر فرماتیں بڑے مزے کا تمہارا کھانا ہے-

بچپن میں تو ان کے ساتھ گورداسپور بھی گئی بٹالہ بھی گئی- بٹالہ میں میری امی جان کی عزیز سہیلی کی بھتیجی کی شادی تھی جب جانے لگیں تو کہنے لگیں کہ تمہاری ماں کیا سوچے گی کہ میری بیٹی کو بھی نہ لے کر گئیں- پھر ابا جان سے اجازت لی کہ امۃ الحئی کی سہیلی کے گھر میں شادی ہے امۃ الرشید کو لے کر جانا ہے- تو اجازت ملی (کیونکہ اس وقت کافی چھوٹی تھی)

حضرت اماں جان کسی پر بوجھ نہ ڈالتیں اپنے کام کاج کے لئے خادمہ رکھی ہوتی پہاڑ پر جاتیں تو اسے بھی ساتھ لے جاتیں راشن آ جاتا تھا اور خادمہ سے پکوا لیتیں- کبھی کسی بیٹے یا بہو پر بوجھ نہ ڈالا اپنے سب کام خود کرتی تھیں کھانا پکانا اور گھر کی دیکھ بھال وغیرہ- حضرت اماں جان کی طبیعت نہایت سادہ لیکن بہت نفاست پسند تھی- سجاوٹ کچھ نہیں تھی لیکن نفاست اجلا پن صفائی ستھرائی- بستر چیز یں برتن ہر چیز صاف ستھری تخت پوش اوپر خوبصورت ولائی گاؤ تکیہ- گھڑونچی پر صراحی- مٹکا اوپر موتیا کے ہار پڑے ہوئے- حضرت اماں جان سوہن حلوہ بنا کر رکھتیں تو ہم سب کھاتے تھے- چچازاد بہن بھائی سب کو ملتا تھا- حلوہ اور کھچڑی (ملا جلا خشک میوہ) بیت الدعا کی الماری میں رکھا ہوتا تھا- ہم سب بچے بہانہ کرکے بیت الدعا کی طرف دوڑتے اور اماں جان یہ سمجھتیں کہ یہ بچے اتنے نیک ہو گئے اور بیت الدعا میں دعائیں کرتے ہیں- وہ تو بعد میں پتہ چلتا کہ سوہن حلوہ اور کھچڑی سب ختم ہو چکا ہے-

ویسے ہمیں دعائیں کرنے کا شوق بھی بڑا تھا میرا اور امۃ العزیز کا مقابلہ رہتا کہ صبح کی نماز کے بعد بیت الدعا میں جائیں اور دعائیں کریں ہم میں دوڑ ہوتی تھی- ایک دن امۃ العزیز تو بیت الدعا میں دھکا دے کر گھس گئی تو اماں جان دیکھ رہی تھیں کہ وہ تو دھکا دے کر اندر چلی گئی ہے آپ نے مجھے بلایا اور کہا کہ بیت الدعا تو بہت بعد میں بنی ہے- بیت الفکر تو اس سے بھی پہلے کی ہے اور اس میں بھی حضرت مسیح موعود نے بہت دعائیں کی ہیں اور بہت سے الہامات یہاں ہوئے ہیں- اب تم امۃ العزیز پر ظاہر نہ کرنا تم یہاں چلی جایا کرو اور دعائیں کیا کرو اس طرح تربیت کے ہر پہلو کا خیال رکھتیں ہر وقت سمجھاتیں اور نصیحت کرتیں-

رمضان المبارک میں بھی آپ اس بات کا خیال رکھتیں کہ کون کون سی پوتیاں پورے روزے رکھتی ہیں- ان کا خاص خیال رکھتیں کچھ نہ کچھ پکا کر ان کے لئے رکھتیں نماز مغرب کے بعد جب ہم جاتے تو بڑے اہتمام سے وہ ہمیں کھانے کو ملتا- میں اور امۃ العزیز تو باقاعدگی سے سارے روزے رکھتیں اور یہ بھی خیال رکھتیں کہ کون کون باجماعت نماز ادا کرتا ہے- پھر خوشی کا اظہار فرماتیں-

حضرت ابا جان (حضرت مصلح موعود) حضرت اماں جان کی ہر فرمائش فوراً پوری کرتے اور ہر طرح کی دیکھ بھال کرتے-

عید پر سارے خاندان کی دعوت کرتی تھیں- سارا انتظام خود کرواتیں اپنے تمام بیٹوں بہوؤں ان کے بچوں بیٹیوں اور اپنے بھائیوں اور ان کے بچے سب ہی جمع ہوتے بہت ہی رونق ہوتی اور سب مل کر بیٹھتے- اور سب کو بہت مزا آتا- اور جب ہماری بڑی پھوپھی اور چھوٹی پھوپھی جان آتیں تو تب بھی بہت رونق ہوتی- حضرت ام مظفر صاحبہ اور حضرت ام طاہر صاحبہ سب اکٹھی ہو جاتیں حضرت امی جان (ام ناصر) بڑی تھیں انہیں بھی بلاتیں کہ آج مبارکہ اور امۃ الحفیظ آئی ہیں تم ان کے پاس آ جاؤ- خوب باتیں ہو رہی ہیں سب ہنس رہے ہیں- الغرض اماں جان کے ہاں بہت مزا آتا- چھوٹی پھوپھی جان حضرت نواب امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ کی حضرت ام طاہر صاحبہ سے بہت دوستی تھی-

جب سب جمع ہوتے تو میرا جی کرتا کہ میں بھی ام ناصر صاحبہ کو امی کہوں- باقی چھوٹے بچے انہیں امی ہی کہتے تھے- حضرت اماں جان کہتیں رشید تم تو اپنی امی کو آپا کہا کرتی تھیں- (یہ شوق تو تب ہوتا اگر

باقی صفحہ 7 پر

نازی جرمنوں کے انسانی مظالم کی داستان کا ایک ورق

ہٹلر کا AUSCHWITZ CAMP یا موت کی فیکٹری

جہاں طرح طرح کے مظالم ڈھا کر 15 لاکھ افراد کو موت کے گھاٹ اتارا گیا

مکرم حامد کریم محمود صاحب امیر و مربی پولینڈ

پانچ سالوں کا لمبا عرصہ نازی جرمنوں کی گھناؤنی اور ظلموں کی داستان کا نام AUSCHWITZ CAMP ہے۔ یہ پولینڈ کے شہر OSWIECIM میں 1940ء میں پولش سیاسی قیدیوں کے لئے قائم کیا گیا تھا۔ وارسا سے قریباً 310 کلومیٹر دور اس قصبہ میں موجود یہ کیمپ پولش سیاسی قیدیوں کو اذیت دینے اور سزائے موت کے لئے قائم کیا گیا تھا۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ نازی جرمنوں نے مختلف لوگوں کو سارے یورپ سے اس کیمپ میں اکٹھا کرنا شروع کر دیا۔ جس میں سے اکثریت یہودیوں کی تھی، علاوہ ازیں مختلف ممالک کے شہریوں، جن میں رشین جنگی قیدی، GIPSY، چیکوسلاویکین، یوگو سلاوین، فرانسیسی، آسٹرین، جرمن اور دوسرے مختلف شہری اس کیمپ میں قیدی تھے پولش سیاسی قیدیوں کو اس کیمپ کے خاتمہ تک یہاں لایا جاتا رہا۔

1939ء میں جب پولش فوجوں نے جرمنی نازیوں کے پولینڈ پر قبضہ کرنے کی کوشش کی تو اس وقت اس شہر کا نام OSWIECIM سے AUSCHWITZ رکھا گیا۔ 1939ء کے آخر میں جرمن نازیوں کے SS اور پولیس ہیڈ کوارٹرز پولینڈ کے شہر WAOC AW میں تھے اور اسی وقت سے اس قسم کے کیمپوں کی تعمیر کا فیصلہ کرلیا گیا تھا، اور اس کی یہ وجہ بیان کی گئی کہ SILESIA شہر میں جو قیدیوں کو رکھنے کی جگہ تھی وہ ناکافی تھی اور مستقبل میں مزید بنائے جانے والے قیدیوں کیلئے اس قسم کے کیمپوں کی سخت ضرورت تھی۔

کئی اسپیشل کمیٹیاں ان کیمپوں کی تعمیر کے لئے مقرر کی گئیں جن کا کام تھا کہ وہ اس قسم کے کیمپوں کے لئے مناسب جگہ کی تلاش کریں۔ فیصلہ کیا گیا کہ OSWIECIM جہاں جنگ سے قبل پولش فوجی چھاؤنی تھی وہاں ان کیمپوں کو قائم کیا جائے، کیونکہ اس وقت یہ چھاؤنی بیکار پڑی تھی اور شہر کی حدود سے دور ہٹ کر تھیں، اس لئے باقی آبادی سے اس کو الگ تھلگ وسعت دی جاسکتی تھی۔

اپریل 1940ء میں اس کیمپ کا آغاز کیا گیا اور جرمن نازی RUDOLF HOSS اس کیمپ کا پہلا کمانڈر مقرر کیا گیا۔ 14 جون 1940ء کو گستاپو نے AUSWITZ کیمپ میں 728 پولش قیدیوں کو TARNOIN شہر سے منتقل کیا اس کیمپ کی 20 عمارتیں ہیں۔ 14 عمارتیں پہلی منزل پر ہیں اور 6 دوسری منزل پر ہیں۔ 1941ء اور 1942ء کے دوران ہر ایک بلڈنگ پر ایک منزل اور تعمیر کی گئی، علاوہ ازیں 8 نئے بلاک تعمیر کئے گئے، اور تمام قیدیوں سے مزدوری کا کام لیا جاتا تھا۔ اس وقت کیمپ میں 28 ایک منزلہ عمارتیں ہیں کچن اور سٹورز ان کے علاوہ ہیں اس کیمپ میں قیدیوں کی تعداد 13 سے 16 ہزار تک ایک وقت میں ہوتی تھی۔ 1942ء کے دوران اس کیمپ میں 20 ہزار قیدیوں کو رکھا گیا اور اس وقت چونکہ تعداد بہت زیادہ ہوگئی تھی اس لئے بلڈنگ میں تہہ خانوں اور چھتوں کے درمیان جو تنگ جگہ ہوتی ہے وہاں بھی قیدیوں کو رکھا گیا جوں جوں قیدیوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا توں توں بلڈنگز کی تعمیر میں بھی اضافہ ہوتا گیا اور یہ ایک بہت ڈراؤنی موت کی فیکٹری کا سماں پیش کرنے لگا۔ 1941ء میں AUSCWITZ کیمپ سے 3 کلومیٹر دور ایک دوسرا کیمپ BIRKENAU میں تعمیر کیا گیا، اس کو AUSWITZ 2 کا نام دیا گیا۔ یہ قریبی گاؤں BRZEZINKA میں قائم کیا گیا، اور 1942ء میں AUSWITZ 3 کیمپ قریبی گاؤں MONOWICE میں قائم کیا گیا، اور ایک کیمپ جرمن کیمیکل پلانٹ IG-FARBEN INDUSTRIE کی حدود میں قائم کیا گیا۔

1942ء اور 1944ء کے دوران کیمپ AUSWITZ کی 40 کی تعداد میں مختلف برانچیں قائم کی گئیں اور یہ تمام برانچیں AUSWITZ 3 کے زیرنگرانی کام کرتی تھیں۔ اور یہاں کے تمام قیدیوں سے سٹیل فیکٹری MINES، اور دیگر فیکٹریوں میں سستی مزدوری کے طور پر کام کرایا جاتا تھا۔

میوزیم میں موجود اشیاء

AUSWITZ اور BIRKENAU دونوں کیمپ اس وقت عوام کے لئے میوزیم کے طور پر کھولے گئے ہیں۔ BIRKENAU کیمپ میں اس وقت جو چیزیں دیکھنے والی ہیں ان میں 4 عدد مردوں کو جلانے والی بھٹیاں ہیں اور گیس چیمبرز ہیں جہاں لوگوں کو زہریلی گیس CYCLON دے کر مارا جاتا تھا، اسی طرح ریلوے پلیٹ فارم جہاں مختلف اطراف سے ٹرینوں میں قیدیوں کو بھر کر لایا جاتا تھا ابھی تک موجود ہیں۔ اور اسی طرح انسانی جسموں کو جلانے کے بعد ان کی ہڈیاں اور راکھ کے ڈھیر بھی موجود ہیں۔ AUSWITZ کیمپ کے اندر ابھی تک موت کی دیوار بھی اسی طرح محفوظ ہے، جہاں لوگوں کو ننگا کھڑا کرکے گولی ماری جاتی تھی کیمپ میں داخل ہونے کا مین گیٹ جس پر لکھا ہوا ہے ARBIET MACHT FREI (کام کرنے سے آزادی ملے گی) ابھی تک محفوظ ہے۔ اور قیدیوں پر پہرہ دینے والوں کے اسپیشل لکڑی کے ٹاور ابھی تک موجود ہیں۔ علاوہ ازیں بجلی کی تاروں پر مشتمل سارے کیمپ کے اردگرد جال بہت دہشت ناک منظر پیش کرتا ہے۔ نازیوں نے اپنے ظلموں کے ان نشانات میں سے بعض کو ختم کر دیا تھا، لیکن بالکل اسی طرح ان کو دوبارہ تعمیر کر دیا گیا ہے مثلاً مردوں کو جلانے والی بھٹیوں کو دوبارہ اسی طرح تعمیر کیا گیا ہے، جیسے اصل حالت میں تھیں۔

SS فوجیوں نے اپنے گھناؤنے ظلموں کو مٹانے کے لئے بعض چیزیں ختم کر دی تھیں۔ لیکن ان تمام چیزوں کو اصل حالت میں دوبارہ بنا دیا گیا ہے، اور جہاں یہ اصل میں واقع تھیں انہی مقامات پر ان کو رکھ دیا گیا ہے۔ ان میں سے خاص طور پر موت کی دیوار اور وہ خاص جگہ جہاں قیدیوں کی حاضری لگائی جاتی تھی محفوظ کرلی گئی ہیں۔

15 لاکھ لوگوں کو سزائے موت دی گئی

AUSWITZ کیمپ کے مین گیٹ پر جہاں سے روزانہ ہزاروں قیدی گزر کر جاتے تھے اور بارہ گھنٹے یا زیادہ وقت کام کرتے تھے ان کو آتے جاتے یہ سائن بورڈ نظر آتا تھا جس پر لکھا ہوا ہے WORK BRINGS FREEDOM کیمپ میں کچن کے ساتھ ایک چوک میں فوجی بینڈ کی دھنیں بجائی جاتی تھیں، جس سے ہزاروں قیدیوں میں جوش و ولولہ پیدا کیا جاتا تھا، جہاں لوگوں کو قید کیا جاتا تھا، اور اس کیمپ کے درمیان 2400 کلومیٹر کا فاصلہ تھا، یعنی بہت دور دراز سے قیدیوں کو ٹرینوں، بلکہ مال گاڑیوں میں مویشیوں کی طرح بھر بھر کر لایا جاتا تھا اور ویگنز کو باہر سے مقفل کر دیا جاتا تھا اور اس سفر کے دوران کوئی کھانا پینا نہیں دیا جاتا تھا اور 7 سے 10 دنوں کا طویل سفر کر کے قیدی یہاں پہنچتے تھے، اور جونہی ان ٹرینوں کے دروازوں کو کھولا جاتا تھا تو خاص طور پر بوڑھے اور بچے لاتعداد میں مرے ہوئے ہوتے تھے، اور جو زندہ ہوتے تھے ان کی حالت بھی ناگفتہ بہ ہوتی تھی۔

یہ ٹرینیں AUSZWITZ اسٹیشن کے مال والے حصے میں لائی جاتی تھیں، اور وہاں لوگوں کو باہر نکالا جاتا تھا 1944ء میں BERKENAU میں ایک نیا پلیٹ فارم تعمیر کیا گیا، اس پلیٹ فارم پر SS کے فوجی افسر اور ڈاکٹرز نئے آنے والوں کا معائنہ کرتے تھے اور جو کام کرنے کے قابل ہوتے ان کو سیدھا کیمپس میں بھجوا دیا جاتا تھا، اور وہ لوگ جو معذور یا بیمار ہوتے ان کو سیدھا GAS CHAMBER میں بھجوا دیا جاتا، جہاں ان کو فوری طور پر مار دیا جاتا RUDOLF HOSS جو اس کیمپ کا کمانڈر تھا کے مطابق 70 سے 75 فیصد لوگ اس طرح مروائے گئے۔ بلاک نمبر 4 کے کمرہ نمبر 3 میں 200 افراد کی تصاویر لگی ہوئی ہیں۔ جو 1944ء میں اتاری گئیں جو SS فوجیوں نے ہنگری سے آنے والے یہودیوں کو سزائے موت دیتے وقت اتاری تھیں۔ 1942ء میں یورپین یہودیوں کے قتل کا سب سے بڑا کیمپ AUSZWITZ تھا جس میں ہزاروں یہودیوں کو گیس چیمبر میں ہلاک کیا گیا اور ان کی کسی قسم کی رجسٹریشن وغیرہ نہیں کی گئی۔ اس لئے مرنے والوں کی اصل تعداد بتانا بہت مشکل ہے۔ مختلف تاریخ دانوں نے مختلف اندازے لگائے ہیں، اور مختلف تعداد بیان کی ہے۔ اکثریت کا خیال ہے کہ 15 لاکھ افراد کو یہاں سزائے موت دی گئی ہے۔ اصلی حقیقت کیا ہے اس بارہ میں ابھی تک تحقیق جاری ہے۔

1941ء میں SS REICHS FUHRER HEINRICH HIMMLER نے اس کیمپ کو یہودیوں کے خاتمے کے لئے بہت موزوں کیمپ قرار دیا اور بتایا کہ اس سے زیادہ موزوں جگہ اور نہیں ہوسکتی جہاں الگ تھلگ اس گھناؤنے کھیل کو کھیلا جاسکتا ہے۔ 1942ء کے موسم بہار میں مختلف لوگوں کو مختلف ملکوں جن میں سلاویکیہ، فرانس، بیلجیئم، اور ہالینڈ شامل ہیں یہاں منتقل کرنا شروع کر دیا۔ اسی طرح موسم خزاں میں جرمنی، ناروے، لتھوانیا، اور دوسرے ایسٹرن ممالک سے لوگوں کو قیدی بنا کر یہاں لایا گیا، رشین جنگی قیدیوں کو بھی 12000 کی تعداد میں اس کیمپ میں لایا گیا۔ پہلے پانچ ماہ کے دوران ان میں سے 8320 قیدی ہلاک ہو گئے۔ ان میں سے اکثر کو گیس سے ہلاک کیا گیا یا پھر گولیوں کا نشانہ بنایا گیا۔ ان جرائم پر مشتمل ایک کتاب جس میں سب ہلاکتیں درج ہیں اس کیمپ کے میوزیم میں محفوظ ہے۔ AUSCHWITZ کیمپ میں بھی 21000 GYPSIES کو ہلاک کیا گیا۔

قیدیوں پر مظالم اور موت کی ہولی

یہودیوں اور دوسرے قیدیوں کی اکثریت جن میں یونان اور ہنگری کے قیدی شامل تھے، کو یہ دھوکہ دے کر یہاں لایا گیا کہ ان کو بہترین کام مہیا کیا جائے گا، ایسی

زمین یا کاروبار جس کا نام و نشان بھی نہیں تھا کا جھانسہ دے کر یہاں لایا گیا اور اس وجہ سے تمام آنے والے قیدی اپنا قیمتی اثاثہ جیسے زیورات، نقدی وغیرہ ساتھ لاتے رہے جن کو آتے ہی ان سے چھین لیا جاتا تھا۔

کیمپ میں صحت مند اور بیمار قیدیوں کی چھانٹ کرنے کے بعد لاغر قیدیوں کو یہ دھوکہ دیا جاتا کہ ان کو غسل دیا جائے گا، اس لئے وہ اپنے کپڑے اتار دیں، پھر ان کو تہہ خانوں میں ایسے کمروں میں جو باتھ روم لگتے تھے میں داخل کر دیا جاتا تھا، ان تہہ خانوں کی چھتوں پر نہانے کے لئے ٹونٹیاں تو ہوتی تھیں مگر ان میں پانی کبھی نہیں آتا تھا ان کمروں کا حجم 210 مربع میٹر ہوتا تھا یہاں ایک وقت میں 2000 لوگوں کو ہلاک کیا جا سکتا تھا۔ جب ان کمروں کے دروازوں کو باہر سے مقفل کر دیا جاتا تھا تو اس کے بعد SS کے لوگ ان کی چھتوں پر اسپیشل سوراخوں سے CYCLON B گیس انڈیل دیتے تھے۔ گیس اندر ڈالنے کے پندرہ سے بیس منٹ کے اندر اندر لوگ ختم ہو جاتے تھے۔ اس کے بعد ان لاشوں سے سونے کے دانت، سونے کی انگوٹھیاں، کانوں کی بالیاں، اور سر کے بال بھی اتار لیا کرتے تھے ان بالوں سے جرمنی میں قائم کردہ فیکٹری میں گرم شالیں بنائی جاتی تھیں، جس کا نمونہ میوزیم میں رکھا گیا ہے جب کیمپ کو 1945ء میں رشیئن فوجیوں کے ذریعہ آزاد کروایا گیا، تو اس وقت ہزاروں جوتوں کے جوڑے، عینکیں، کپڑے، برتن، سوٹ کیس، جن پر مالک کا نام اور کس شہر سے آیا تھا لکھے ہوئے ہیں یہ ساری چیزیں اس میوزیم میں بڑے بڑے کمروں میں بھری پڑی ہیں۔ اسی طرح یہودیوں کے عبادت کرنے والے کپڑے بھی موجود ہیں۔

کیمپ میں آنے والے ہر قیدی کے آتے ہی اس کے بال کاٹ لئے جاتے تھے اور ہر ایک کو ایک نمبر دیا جاتا تھا۔ 1942ء کے آخر تک ہر ایک قیدی کے تین مختلف انداز سے فوٹو لئے جاتے تھے۔ 1943ء میں ہر ایک قیدی کی بازو پر گدوا دیا جانے لگا۔ ہر ایک قیدی کو کپڑوں کے ساتھ اسپیشل نشان الاٹ کیا جاتا تھا، سیاسی قیدیوں کو ایک تکونہ سرخ رنگ کا نشان دیا جاتا تھا جب کہ یہودیوں کو پیلے رنگ کا ایک نشان الاٹ ہوتا تھا، GYPSIE کو کالے رنگ کا تکون نشان دیا جاتا تھا۔ اور ہٹلر کی طرف سے اسپیشل سزا یافتہ لوگوں کو نیلے رنگ کا نشان دیا جاتا تھا۔ HETROSEXUAL لوگوں کو گلابی رنگ اور خطرناک مجرموں کو سبز رنگ کا نشان دیا جاتا تھا، پہننے کے لئے کپڑے لکیر دار کاٹن کے تھے جن سے سردی کے بچاؤ کا بالکل انتظام نہیں ہو سکتا تھا۔ یہ نیلے اور سفید لکیروں والے کپڑے تھے۔ جانگیہ وغیرہ کئی ہفتوں یا مہینوں کے بعد تبدیل کرنے کی اجازت ہوتی تھی۔ قیدیوں کو اپنے کپڑے دھونے کی اجازت نہیں تھی۔ ان وجوہات کی بناء پر قیدیوں میں طرح طرح کی خطرناک بیماریاں پھیل جاتی تھیں صبح کو قیدیوں کی حاضری کے وقت ہر ایک کو سوپ کا ایک پیالہ ملتا تھا اس کے بعد شام تک کھانے کو کچھ نہیں ملتا تھا۔ قیدیوں سے زیادہ عرصہ کام کیمپ میں نئی تعمیر ہونے والی بلڈنگ کی جگہ کا ہموار کرنا، سڑکوں کی تعمیر، سیوریج سسٹم کی تعمیر کے سلسلہ میں لیا جاتا تھا، اتنا سخت کام لینے کے باوجود SS کے فوجی اگر کسی قیدی کو سست رفتار سے چلتا دیکھتے تو اس کو کدالوں اور ڈنڈوں سے مار مار کر ختم کر دیتے، اور شام کو واپس آنے والے قیدی اپنے ساتھیوں کی لاشوں کو ریڑھیوں میں لاد کر اپنے ساتھ لاتے۔

قیدیوں کی خوراک

روزانہ کا راشن جو ایک قیدی کو ملتا تھا۔ اس میں 1300 سے 1700 کلوریز ہوتی تھیں ناشتہ کے طور پر 1/2 لیٹر کافی اور شام کے کھانے میں ایک لیٹر سوپ بغیر گوشت کے دیا جاتا تھا، جو کہ اکثر گلی سڑی سبزیوں سے تیار کیا جاتا تھا، رات کا کھانا کالے رنگ کی بریڈ جو 300 سے 350 گرام کی ہوتی تھی، اور ایک اونس مارگرین، 20 گرام گوشت کا ٹکڑہ اور کچھ چائے یا کافی دی جاتی تھی کیمپ کو جب ریڈ آرمی نے آزاد کروایا تو اس وقت کے مردوں اور عورتوں کے فوٹو لگے ہوئے ہیں، جن کا وزن مناسب خوراک نہ ملنے کی وجہ سے 23 سے 30 کلو تک کمزور لگا تھ۔

بچوں سے سلوک

کیمپ میں بچوں سے بڑوں جیسا سلوک کیا جاتا تھا ان بچوں میں سے بڑی تعداد یہودیوں، GYPSIES پولش، اور رشیئن بچوں کی تھی، ان میں سے اکثریت کی کیمپ میں پہنچتے ہی GAS CHAMBER کے ذریعہ ہلاکت ہو گئی۔ جو بچ گئے ان سے بھی بڑوں جیسا سلوک کیا گیا، مثلاً اگر جڑواں بچے ہوتے تو ان پر مختلف قسم کے تجربات کئے جاتے، پھر بچوں سے بھی سخت کام لیا جاتا۔ بچوں کے کیمپ میں رجسٹریشن سیاسی قیدیوں کے ذیل میں کی جاتی تھی۔ کیمپ کی آزادی کے وقت جو بچے زندہ تھے ان کی فوٹوز یہاں موجود ہیں۔

سونے کا انتظام

قیدیوں کے سونے کے انتظامات بھی بہت تکلیف دہ تھے، شروع میں جب یہاں قیدی لائے گئے تو ان کو یہاں فرش پر پرالی ڈال کر سلایا گیا، بعد میں پرالی سے تیار کردہ گدے مہیا کئے گئے بڑے کمرے جس میں زیادہ سے زیادہ 40 سے 50 آدمیوں کو سلایا جا سکتا تھا وہاں 200 آدمیوں کو رکھا جاتا تھا کمروں میں تین منزلہ بیڈ لگائے گئے تھے۔ جن میں ہر ایک پر دو قیدی سوتے تھے۔ کمبل پھٹے پرانے اور گندے اوڑھنے کے لئے دئے جاتے تھے جس قیدی کو اکیلے سونے کی جگہ مل جاتی تو وہ اپنی عیاشی پر پھولا نہ سماتا۔

طبی تجربات

دوسرے کیمپس کی طرح AUSCHWITZ کیمپ میں SS تنظیم کے ڈاکٹر مختلف گھناؤنے تجربات قیدیوں پر کرتے رہتے تھے۔ مثلاً ڈاکٹر جوزف مینگلے جڑواں بچوں پر تجربات کیا کرتا تھا، اور اسی طرح معذور لوگوں پر بہت ظالمانہ تجربات کئے جاتے تھے اور اس طرح سے مختلف تیار کردہ ادویات کے تجربات ان قیدیوں پر کئے جاتے، قیدیوں کی جلدوں میں زہریلے مواد مساج کے ذریعہ داخل کر دئے جاتے، اور پھر ان سے مختلف تجرباتی اپریشن کئے جاتے۔ سینکڑوں عورتیں اور مردان تجربات کے دوران ہلاک ہوئے اور جو ان تجربات سے زندہ بچے ان کی صحتیں بھی بری طرح متاثر ہوئیں۔

بلاک نمبر 10 ڈیتھ بلاک

یہ بلاک جیل کے اندر ایک اور جیل تھی اور باقی تمام کیمپ سے الگ تھلگ تھا، پہلی منزل اور تہہ خانے اپنی اصل حالت میں محفوظ رکھے گئے ہیں بلاک نمبر 10 اور بلاک نمبر 11 کے درمیان دونوں اطراف اونچی دیواریں ہیں۔ اور بلاک نمبر دس کی کھڑکیاں جو اس طرف کھلتی تھیں ان پر لکڑی کے تختے اس طرح لگائے گئے ہیں کہ اندر جو کچھ ہو رہا ہو باہر سے نظر نہ آ سکے۔ بلاک نمبر دس اور بلاک نمبر 11 کے درمیان DEATH WALL ابھی تک موجود ہے جس کے سامنے ہزاروں قیدیوں کو SS کے فوجیوں نے گولیاں مار مار کر ہلاک کیا۔ جن میں سے اکثریت پولش لوگوں کی تھی اس طرح اس میدان میں پھانسی دینے کیلئے اسپیشل جگہ ابھی تک محفوظ ہے بلاک نمبر 11 کے اندر داخل ہوتے ہی دائیں طرف پہلا کمرہ SS کا آفس تھا اور باقی دونوں طرف کے کمروں میں قیدی اپنے فیصلہ کا انتظار کرتے تھے، جو گسٹاپو پولیس آفیسر کی طرف سے اس جگہ سنایا جاتا تھا۔ گسٹاپو آفیسر KATOWICE سے سفر کر کے آتا تھا، اور یہ عدالتی کارروائی دو سے تین گھنٹے میں ہوتی تھی اس دوران بعض دفعہ درجنوں اور بعض دفعہ سینکڑوں کو موت کی سزا کا حکم ہوتا تھا، فیصلہ کے بعد ان قیدیوں کو دیوار موت کے پاس لایا جاتا تھا، گولی چلانے سے قبل ہر ایک کے کپڑے اتروا دیئے جاتے تھے اور یہ کام اس بلاک کے درمیان میں واقع دو باتھ رومز میں کیا جاتا تھا۔ اس بلاک کے آخری کمرے میں ایک پولش آرٹسٹ WIADYSLAW SIWEK تھا اس نے ان نظاروں پر مشتمل پینٹنگز تیار کی تھیں جو ابھی تک موجود ہیں ہٹلر کے سپاہیوں کی طرف سے کیمپ کے قیدیوں کو سیب چوری کرنے پر بھی موت کی سزا سنائی جاتی تھی، یا اگر کام کرنے کے وقت آرام کرتا ہوا پایا گیا۔ یا اپنے ذاتی سونے کے دانتوں کے عوض کسی سے کھانے کیلئے بریڈ کا سودا کرتے ہوئے پایا جاتا تو بھی موت کی سزا ہوتی تھی، یا SS کے فوجیوں کی نظر میں وہ بہت سستی سے کام کرتا ہوا پایا جائے، تو موت کی سزا ہوتی۔

بلاک نمبر 11 کے تہہ خانوں میں ایسے لوگوں کو رکھا جاتا تھا جن پر الزام ہوتا تھا کہ یہ دوسرے قیدیوں سے رابطہ قائم کرتے ہیں یا ایک دوسرے کو بھاگنے میں مدد کرتے تھے، یا جس پر SS کی طرف سے الزام لگایا جاتا تھا کہ کیمپ کے قوانین کی خلاف ورزی کرتے ہوئے پائے گئے ہیں، ایسے قیدیوں کو تہہ خانہ کے کمرہ نمبر 18 میں بھوکا رکھ کر ہلاک کر دیا جاتا تھا۔

1941ء میں کیمپ کے افسران نے ایک پولش راہب MAXI MILIAN KOLBE کو اس تہہ خانہ میں اس جرم کی وجہ سے رکھا کہ اس نے اپنے ساتھی کی مدد کی تھی اور یہاں ہی اس کی وفات ہوئی۔ سیل نمبر 20 میں موت کی سزا دم گھٹنے سے دی جاتی تھی یہ مکمل طور پر بند ہے، نہ ہوا نہ روشنی اس میں داخل ہوتی ہے، اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔

سیل نمبر 22 میں چار مربع شکل میں 90x90 سینٹی میٹر کے چھوٹے چھوٹے کمرے ہیں جن میں ہر ایک کمرے میں ایک وقت میں چار قیدیوں کو کھڑا کر دیا جاتا تھا، اور وہ تکلیف اٹھا اٹھا کر خود ہی مر جاتے تھے، باوجود اس قسم کی سختیوں اور پہرہ کے پولش قیدیوں نے باہر سے کھانے پینے کی اشیاء اور ادویات سمگل کرنے میں کامیابی حاصل کر لی۔ پولش قیدیوں اور باہر موجود تنظیموں کے درمیان اسپیشل کوڈ میں بات چیت یا خط و کتابت ہوتی تھی۔ علاوہ ازیں باوجود ان تمام مشکلات کے کیمپ کے اندر مختلف میٹنگز، نیشنل شاعری کی مجالس اور عبادت کر لی جاتی تھی۔ 19 جولائی 1943ء کو کیمپ میں 12 پولش قیدیوں کو پھانسی دی گئی جن پر الزام تھا کہ انہوں نے کیمپ کے باہر سویلین سے رابطہ قائم کیا تھا، دوسرا الزام یہ تھا کہ انہوں نے اپنے تین ساتھیوں کو بھاگنے میں مدد کی تھی۔

مزدوروں کو جلانے کی جگہ CREMIOTORIK کیمپ کی چار دیواری سے باہر ہے اور اس کے ساتھ ہی وہ تاریخی پھانسی دینے کی جگہ موجود ہے۔ جس جگہ اس کیمپ کے نازی جرمن کمانڈر RUDOLF HOSS کو 16 اپریل 1947ء کو پھانسی کی سزا دی گئی۔

اس جلانے کی جگہ میں روزانہ 350 لاشوں کو جلایا جاتا تھا، اور ہر دفعہ ایک وقت میں دو سے تین لاشیں رکھی جاتی تھیں۔ یہ جلانے کی بھٹیاں جرمنی کی ایک فرم TOPF UND SOHNE ERFURT نے تیار کی تھیں۔ اسی کمپنی نے 1942-43ء میں BIRKENAU کیمپ میں بھی اس قسم کی چار بھٹیاں سپلائی کی تھیں۔ اس کمپنی کا نام ابھی تک وہاں موجود میٹیریل پر کندہ نظر آتا ہے۔ 1940ء سے 1943ء تک یہ بھٹیاں کام کرتی رہیں۔ OVEN کو میوزیم والوں نے بعد میں اصل جرمنی میٹیریل سے دوبارہ تیار کیا۔

خلاصہ کلام یہ کہ موت کا کیمپ دیکھنے کے بعد انسان یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ انسان دوسرے انسان پر اس قسم کے ظلم بھی کر سکتا ہے۔ کہ انسانیت جانوروں سے بھی بدتر نظر آنے لگتی ہے۔ یہ میوزیم عوام کیلئے مفت کھلا ہوتا ہے۔

میٹھا پانی ضائع نہ ہونے دیں